© rasailojaraid.com

ڈاکٹر محمد ریاض

اقبال کی اردو شاعری کے چند پہلو

علامہ اقبال کی اردو شاعری پر غور کرتے وقت چند ذیلی عنوانات ذہن میں آتے ہیں۔ ان کے پیشرو اردو شعرا، فارسیت، عرفان و تصوف، حقائقِ دین، خالص اصطلاحات اور نئے اسالیبِ بیان۔

اقبال کی نثر و نظم کی تصانیف میں جن اردو شعرا کے نام مذکور ہیں وہ یہ ہیں: میرزا غالب، امیر مینائی، میرزا داغ، محمد حسین آزاد، خواجہ حالی، شبلی نعمانی، خواجہ عزیز لکھنوی اور اکبر الہ آبادی۔ ان میں امیر مینائی، آزاد اور عزیز کے نام ضمنی طور پر آگئے ہیں۔ میرزا داغ سے اقبال بذریعہ ڈاک اصلاحِ سخن لیتے رہے اور ان کے رنگ میں انھوں نے بعض اشعار بھی کہے ہیں۔ اکبر الہ آبادی کے ظریفانہ رنگ میں اقبال نے کافی اشعار کہے ہیں جن میں سے بعض "بانگِ درا" کے آخری حصے میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ بانگِ درا (دورِ سوم) کے حصہ غزلیات میں انھوں نے اکبر کا ایک مصرع تضمین کیا۔ اور ان کے لقب "لسان العصر" کو بھی ارقام کیا ہے۔ اقبال کی یہ مختصر غزل دراصل اکبر کے اتباع میں ہے:

گرچہ تو زندانیٔ اسباب ہے — قلب کو لیکن ذرا آزاد رکھ
عقل کو تنقید سے فرصت نہیں — عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ
اے مسلمان ہر گھڑی پیشِ نظر — آیۂ "لا یخلف المیعاد" رکھ[لہ]
یہ "لسان العصر" کا پیغام ہے — "اِنّ وعد اللہ حق" یاد رکھ[کہ]

اقبال نے داغ اور اکبر کے مرثیے بھی لکھے۔ داغ کے مرثیے میں انھوں نے اس "بلبل دلی" کے عاشقانہ محاکات لکھنے کی مہارتِ تامہ کو سراہا ہے (بانگِ درا حصہ اوّل)۔ اکبر کا مرثیہ فارسی میں ہے جسے اب "باقیاتِ اقبال" میں دیکھا جا سکتا ہے:

دریغا کہ رخت از جہان اے اکبر — حیاتش بحق بود روشن دلیلے

لہ قرآن مجید۔ ۱۳ : ۳۱ — کہ ایضاً۔ ۱۳ : ۵۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سر ذروۂ طور معنی کلیمے | بہ بت خانۂ دورِ حاضر خلیلے
نوائے سحر گاہ او کارواں را | اذان درائے، پیام رحیلے
زد لہا برافگندۂ لات و عزیٰ | بجہانہا کشائندۂ سلسبیلے
دماغش ادب خوردۂ عشق و مستی | دلش پرورش دادۂ جبرئیلے

یہ مرثیہ اور اقبال کے کئی خطوط اس امر کے غماز ہیں کہ وہ اکبر کی شاعری کے موضوعات یعنی ان کی متنوع قومی شاعری کے قدر دان تھے۔

میرزا غالب یقیناً اقبال کے قابلِ ذکر پیشرو تھے، مگر اقبال کی اردو شاعری پر میرزا موصوف کا کوئی خاص اثر نظر نہیں آتا۔ اس کی کئی وجوہ ہیں: اقبال نے غالب کی طرح اردو غزل میں تغزل کی طرف توجہ نہ کی، کیوں کہ وہ ایک صاحبِ پیغام شاعر تھے۔ اقبال کا مقصد ابلاغِ پیغام تھا، اس لیے انھوں نے بیدل کا وہ مشکل پیرایہ اختیار نہ کیا جو غالب کے معتدبہ ابتدائی اشعار کا خاصہ رہا ہے۔ اقبال نے کئی مکاتیب اور بیانات میں اس بات پر اظہارِ خیال کیا ہے کہ غالب اپنی اردو شاعری میں بیدل کی ناکام تقلید کرتے رہے ہیں۔[۵۳] غالب کو اپنی اردو شاعری پر فارسی شاعری سے کمتر ناز رہا ہے،[۵۴] گو ان کی شاعرانہ قدر دانی اُردو کی زیادہ منت پذیر رہی ہے۔ اقبال بھی میرزا موصوف کی فارسی شاعری کے بے حد مداح تھے۔ بانگِ درا کی نظم "میرزا غالب" اقبال کے احترامِ غالب کے احساسات کی آئینہ دار ہے۔ "جاوید نامہ" (فلکِ مشتری) میں اقبال نے غالب کے درج ذیل شعر کو فارسی میں منتقل کر کے اس کے معانی لکھتے ہیں:

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفس رنگ | اے نالہ، نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے؟[۵۵]

بانگِ درا (ظریفانہ کلام کا حصہ) اور بالِ جبریل وغیرہ میں اقبال نے غالب کے چند مصرعے اور اشعار بھی تضمین کیے ہیں:

"اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے" | غالب کا قول سچ ہے تو پھر ذکرِ غیر کیا؟

---

۵۳ دیکھیں "انوارِ اقبال" اور "گفتارِ اقبال"۔ مرتبہ بشیر احمد ڈار اور محمد رفیق افضل

۵۴ فارسی: بین تا بہ بینی نقشہائے رنگ رنگ | بگزر از مجموعۂ اردو کہ بے رنگِ من است
جو یہ کہے کہ ریختہ کیونکر ہو رشکِ فارسی | گفتۂ غالب ایک بار پڑھ کے اسے سنا کہ یوں

۵۵ اس کے معانی پر حالی نے بھی "یادگارِ غالب" میں روشنی ڈالی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرزا غالب خدا بخشے، بجا فرما گئے ہیں[۵۶]
"ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھائیں گے کیا؟"

تیری الفت کی حرارت گر نہ ہو دل میں
"آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا"

جانتا ہوں[۵۷] تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ
پہچانتا ہوں ابھی راہبر کو میں

چند دوسرے اردو اشعار میں بھی اقبال نے بظاہر غالب کے کلام کی طرف (صوری لحاظ سے) توجہ رکھی ہے

غالب:

ہے بسکہ ہر اک ان کے اشارے میں نشاں اور
کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گماں اور

اقبال:

دل زندہ و بیدار اگر ہو تو بتدریج
بندے کو عطا کرتے ہیں چشمِ نگراں اور

غالب

جب تک دہانِ زخم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل کہ تجھ سے راہِ سخن وا کرے کوئی

رونے سے اے ندیم، ملامت نہ کر مجھے
آخر کبھی تو عقدۂ دل وا کرے کوئی

ناکامیٔ نگاہ ہے، برقِ نظارہ سوز
تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

سر بر ہوئی نہ وعدۂ صبر آزما سے عمر
فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی

حسنِ فروغِ شمعِ سخن دور ہے، اسد
پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی

اقبال:

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

میں انتہائے عشق ہوں، تو انتہائے حسن
دیکھے مجھے کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

عذر آفرینِ جرمِ محبت ہے حسنِ دوست
محشر میں عذرِ تازہ نہ پیدا کرے کوئی

آڑ بیٹھے کیا سمجھ کے بھلا طور پر کلیم
طاقت ہو دید کی تو تقاضا کرے کوئی

کھل جائیں کیا مزے ہیں تمنائے شوق میں
دو چار دن جو میری تمنا کرے کوئی

---

۵۶ مصرعِ اوّل: ہے اب اس معمورے میں قحطِ غمِ الفت، اسد

۵۷ بالِ جبریل، "قطعہ"، "فلسفہ و مذہب"۔ غالب نے چلتا اور راہرو کی جگہ بظاہر چلنا اور تیز رو استعمال کیا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آخری شال بانگ درا حصہ اوّل سے ہے۔ ۱۹۲۴ء میں اگرچہ سر شیخ عبدالقادر مرحوم نے "دیباچۂ بانگ درا" میں غالب اور اقبال کی غیر معمولی مماثلت کا ذکر فرمایا تھا، مگر حقیقت میں دونوں کی معنوی دنیا مختلف ہے۔ (دونوں کی فارسی شاعری کے ذکر سے یہاں احتراز کیا جاتا ہے) اور اسلوب کی بھی کوئی خاص ہم آہنگی نظر نہیں آتی۔

اقبال، حالی اور شبلی کے یقیناً قدرشناس تھے۔ ۱۹۱۴ء کے اواخر میں جب ان دونوں ناموروں نے انتقال کیا، تو اقبال نے مرثیہ نما چند شعر بھی لکھے تھے:

خاموش ہو گئے چمنستاں کے راز دار | سرمایۂ گداز تھی جن کی نوائے درد
شبلی کو رو رہے تھے ابھی اہلِ گلستاں | حالی بھی ہو گیا سوئے فردوس رہ نورد
"اکنون کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں[۵۸] | بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد؟"

انھوں نے چند موارد میں حالی کی تعریف کی ہے۔ مسدس "مدّ و جزرِ اسلام" انھیں بے حد پسند تھا۔ اس کتاب اور حالی کے "شکوۂ ہند" کا اقبال کے شکوہ اور جوابِ شکوہ سے کسی قدر رابطہ ضرور مشہود ہے۔ اقبال نے حالی کے رنگ میں بعض اشعار بھی کہے ہیں:

حالی: بڑھاؤ نہ آپس میں ملّت زیادہ | مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ
اقبال: وہی لوگ پاتے ہیں عزت زیادہ | جو کرتے ہیں دنیا میں محنت زیادہ

حقیقت یہ ہے کہ اقبال نے حالی اور اکبر کی قومی شاعری کا خاصا اثر قبول کیا ہے۔ طبائع اور اسالیب کا اختلاف البتہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ حالی مسلمانوں کی عظمتِ پارینہ کا راگ الاپتے ہیں مگر ان کے مستقبل کی ترقی کے بارے میں پُرامید نہیں۔ وہ مسلمانوں کے انحطاط پر رو دھو کر چُپ سادھنے رہے ہیں، مگر انحطاط کا احساس دلانا بھی معمولی بات نہیں۔ اکبر نے ظریفانہ حکمت کے ذریعے مسلمانوں کے اصلاحِ احوال کی کوشش کی۔ اقبال نے حالی اور اکبر کا دوگانہ کام کیا اور کچھ اس پر مزید بھی۔ انھوں نے مسلمانوں کی عظمتِ گزشتہ نظم کی، ان کے انحطاط کا ذکر کیا، ان کی پس ماندگی پر طنز و ظرافت کے نیر برسائے، اور اہم تر یہ کہ انھیں درسِ حیات دیا، اور پیغامِ بیداری بھی۔ اس ضمن میں اقبال کی کچھ مماثلت شبلی سے بھی ماننی پڑے گی۔ شبلی، طبیعت کے تقاضوں سے مجبور ہو کر کبھی کبھی اردو یا فارسی میں شعر کہہ لیتے تھے۔ انھیں اس شاعری سے چنداں اعتنا نہ تھا، اور ان کے

---

۵۸ شعر از حافظ شیرازی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علمی و ادبی فتوحات کے مقابلے میں یہ کوئی چار ہزار اشعار جو دونوں زبانوں میں تقریباً مساویانہ منقسم ہیں، کوئی خاص وزن رکھتے بھی نہ ہوں گے۔ مگر اقبال، شبلی کی شعر العجم، سیرۃ النبیؐ اور ان کی اردو شاعری کے واصف رہے ہیں۔[۹] دونوں کی وہ نظمیں جو تاریخِ اسلام کے مختلف وقائع کے بارے میں ہیں، قابلِ مقائسہ ہیں۔ بلقان اور طرابلس کی معاصر جنگوں کے بارے میں اقبال نے بے نظیر شعر کہے، مگر شبلی کا شہر آشوبِ اسلام[۱۰] بھی معمولی نہیں۔ شبلی نے ایک نظم میں کان پور کے شہدا کی قربانیوں کو منعکس کیا، اور اقبال نے اسی طرح طرابلس کے شہدا کو نذرانہ پیش کیا ہے۔ کسی مفصل موازنے کی ضرورت نہیں۔ شبلی، شبلی ہے اور اقبال، اقبال۔ مقدم الذکر نے تو سنجیدگی سے شاعری کی ہی نہیں، مگر عجیب اتفاق ہے کہ اقبال کی اردو نظم، شبلی کی اردو شاعری سے اقرب نظر آتی ہے۔ [شبلی کی اردو شاعری، تغزل سے عاری ہے۔ اقبال کے ہاں بھی تغزل کے شعر انگشت شمار ہیں۔ شبلی کی فارسی غزل سراپا تغزل ہے، اور اقبال نے بھی اُردو کے مقابلے میں فارسی میں قابلِ ملاحظہ تغزل آمیز اشعار کہے ہیں]

اقبال نے اردو میں ۲ ہزار سے کچھ زیادہ اشعار کہے ہیں۔ ان میں تھوڑے سے اشعار مذکورہ بالا اردو شعرا کے کلام کے شبیہہ کہے جا سکتے ہیں، مگر مجموعی طور پر فکر کی طرح ان کا اسلوب بھی منفرد اور بے نظیر ہے۔ ان کے ہاں صوری اور معنوی طور پر "آمد" ہی نظر آتی ہے، آورد کے شائبات ان کے دورِ تجربہ کی یادگار ہیں۔

فارسیت

اقبال کے اردو کلام میں "فارسیت" (فارسی لغات، ترکیبات اور محاورات) بہت نمایاں ہے۔ اُردو نے فارسی کی صفات، ترکیبات، اسما اور سابقے لاحقے بہت سے جذب کر لیے ہیں اور کئی آئندہ جذب کرے گی۔ ہمارے اکثر ذولسانین شعرا (فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہنے والوں) کے ہاں "فارسیت" خاصی ثقیل نظر آتی ہے۔ مگر غالب اور اقبال اس معاملے میں دوسروں سے ممتاز تر ہیں۔ ان دونوں نے اردو کے مقابلے میں فارسی میں زیادہ شعر کہے ہیں۔ (اقبال کے فارسی اشعار ان کے اردو اشعار سے ڈیڑھ گنا سے بھی زیادہ ہیں) اور

---

۹ اقبال نامہ مرتبہ شیخ عطاء اللہ — مکاتیب بنام سید سلیمان ندوی

۱۰ اس نظم کے آخری دو شعر ہیں:

حرم کی سمت بھی صید افگنوں کی جب نگاہیں ہیں
تو پھر سمجھو کہ مرغانِ حرم کے آشیاں کب تک؟
جو ہجرت کر کے بھی جائیں تو شبلی اب کہاں جائیں
کہ اب امن و امانِ شام و نجد و قیرواں کب تک؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"فارسیت" کے رنگ میں رنگے ہوئے۔ اقبال نے فارسی محاورے (جیسے خوش آنا بمعنی اچھا لگنا جو خوش آمدن کا ترجمہ ہے) زیادہ نہیں استعمال کیے۔ فارسی شعرا کے ترجمے اور ان کے اشعار کی تضمین، اقبال کے ہاں زیادہ ہیں، اور یہ اُن کی اپنی جدت ہے۔ انھوں نے نہایت خوبصورت فارسی تراکیب استعمال کیں۔ ان کے قافیے اور ردیفیں بھی اکثر فارسی لغات پر مبنی ہیں[۱۵] یہ سب کچھ بظاہر قابل نقد و تنقید نہیں، مگر عربی اور فارسی زبانوں سے بے رغبتی کے نتیجے میں فارسی تراکیب اور اضافات کا حامل ان کا کلام نہ صحیح لکھا جاتا ہے اور نہ صحیح پڑھا جاتا ہے۔ حالیہ سالوں میں شائع ہونے والے ان کے اردو کلام کے مجموعوں اور کلیاتِ اُردو طبع ۱۹۷۳ میں اضافتوں کی متعدد غلطیاں نظر آتی ہیں۔ نظم "ذوق و شوق" کو جب بھی ریڈیو یا ٹیلیویژن سے سنا، ذیل کے شعر میں "علم" کے م کو متحرک (اضافت کے ساتھ) اور "نخیل" کے ل کو ساکن پڑھا گیا:

تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ شب و روز　　مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم، نخیلِ بے رُطب

یہ حقیقت ہے کہ غالب اور اقبال کے اردو کلام کو پڑھنے اور سمجھنے کے لیے فارسی کی خاص استعداد بہم پہنچانا ضروری ہے۔

عرفان و تصوف

صوفیانہ مضامین، ہمارے ادب کا ایک اہم عنصر رہے ہیں۔ تصوف بقول اقبال اب زوال پذیر ہو چکا اور اس کے احیا کا امکان بھی نہیں، مگر صوفیانہ موضوعات اب بھی مسلمانوں کے شعر و ادب (خصوصاً فارسی اور اردو) میں سموئے جا رہے ہیں۔ اقبال، اسلامی تصوف کے قدر دان تھے۔ انھوں نے متعدد صوفیا کی خدمات کو سراہا بھی ہے مگر وہ جامد اور بے عمل صوفیا کے خلاف تھے، اور غفلت آموز آدابِ تصوف کے بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال کی شاعری کے ذریعے اردو زبان انتہائی اعلیٰ عرفانی اور صوفیانہ مضامین سے مالا مال ہوئی ہے۔ خواجہ میر درد کے بعد اردو کو دوسرا عارف شاعر اقبال کی صورت میں ملا ہے۔ دیگر اردو شعرا کے ہاں بھی کہیں کہیں عارفانہ مضامین بیان ہوئے ہیں، مگر درد اور اقبال کے ہاں یہ خاص موضوعات ہیں۔ اقبال کے اُردو (اور اسی طرح فارسی) کلام کا ایک قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ اس میں پہلی بار خودی اور بے خودی (یعنی تعمیرِ شخصیت اور تشکیلِ ملت) کے آداب ایک

---

[۱۵] مثلاً حافظ اور اقبال کی یہ غزلیں جن کے مطلعے بالترتیب نقل کیے جا رہے ہیں:

سحر بباد می گفتم حدیثِ آرزو مندی　　خطاب آمد کہ واثق شو بہ الطافِ خداوندی

متاعِ بے بہا ہے درد و سوزِ آرزو مندی　　مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

اقبال نے پوری غزل میں غزلِ حافظ کے قوافی استعمال کیے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظریۂ حیات کے طور پر بیان ہوتے ہیں۔ کیا "فقر اسلامی" کی اردو شعر میں یہ توصیف قابلِ غور اور لائقِ قدر نہیں ہے۔

فقر کے ہیں معجزات، تاج و سریر و سپاہ — فقر ہے میروں کا میر، فقر ہے شاہوں کا شاہ
علم کا مقصود ہے پاکیٔ عقل و خرد — فقر کا مقصود ہے عفتِ قلب و نگاہ
علم فقیہ و حکیم، فقر مسیح و کلیم — علم ہے جویائے راہ، فقر ہے دانائے راہ
فقر مقامِ نظر، علم مقامِ خبر — فقر میں مستی ثواب، علم میں مستی گناہ
چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغِ خودی — ایک سپاہی کی ضرب، کرتی ہے کارِ سپاہ
دل اگر اس خاک میں زندہ و بیدار ہو — تیری نگہ توڑ دے آئینۂ مہر و ماہ

روح اسلام کی ہے نورِ خودی، نارِ خودی — زندگانی کے لیے نارِ خودی، نور و حضور
یہی ہر چیز کی تقویم، یہی اصلِ نمود — گرچہ اس روح کو فطرت نے رکھا ہے مستور
لفظِ اسلام سے یورپ کو اگر کد ہے تو خیر — دوسرا نام اس دین کا ہے "فقرِ غیور"

اقبال اس تصوف کے موید اور قائل ہیں جس میں خودی کی تکمیل اور بےخودی کی نشوونما کے سامان موجود ہوں۔ یعنی وہ مسلمان فردِ حقیقی "صوفی" کہلانے کا مستحق ہے جو ملتِ مسلمہ کے دکھ درد میں برابر کا شریک ہو:

یہ حکمتِ ملکوتی، یہ علمِ لاہوتی — حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ ذکرِ نیم شبی، یہ مراقبے یہ سرور — تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ عقل جو مہ و پرویں کا کھیلتی ہے شکار — شریکِ شورشِ پنہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
خرد نے کہہ بھی دیا لاالٰہ تو کیا حاصل — دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

روایتی اور اقبال کے پسندیدہ فقر و تصوف کا امتیاز مندرجہ ذیل تین شعروں سے نمایاں ہو جاتا ہے:

اک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نخچیری — اک فقر سے کھلتے ہیں اسرارِ جہانگیری
اک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری — اک فقر سے مٹی میں خاصیتِ اکسیری
اک فقر ہے شبیری، اس فقر میں ہے میری — میراثِ مسلمانی، سرمایۂ شبیری

حقائقِ دین

ضمناً اقبال کی اردو شاعری کے اس معنوی پہلو پر غور کرنا چاہیے کہ انھوں نے حقائقِ دین کے چہرے کو نئی آب و تاب کے ساتھ نمایاں کیا اور اردو ادب کے افتخارات میں اضافہ فرمایا۔ توحید، رسالت، ہجرت، جہاد، معراج،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نماز اور حج وغیرہ کے عقائد و اعمال صدیوں سے معروف و متداول تھے، مگر مرورِ ایّام سے ان صداقتوں کے عمق کو لوگ بھلا بیٹھے تھے۔ الا ماشاء اللہ۔ ایک مفکر اردو شاعر نے ان حقائق و حکم کے دقیق پہلوؤں کی طرف مسلمانوں کی توجہ از سرِ نو مبذول کرائی۔ مثلاً توحید کا تقاضا ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان فکر و عمل کی اساسیات میں متحد ہوں ۳۲؎ رسالت، انسانی حریت اور مساوات کی مظہر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مکمل فرما گئے اور نمونے کی ایک امت کی تشکیل بھی ان کے مقدس ہاتھوں انجام پا گئی، لہٰذا اب کسی دوسرے نبی کی نقلاً و عقلاً ضرورت باقی نہیں رہی۔ ہجرت، محدود وطنیت (وطن پرستی) کا ردِّ عمل تھی کہ مسلمانوں کا وطن، کسی ایک خطۂ ارضی میں محدود نہ رہے۔ معراج کا واقعہ انسان کی روحانی اور جسمانی قویٰ کی غیر محدودیت کا مظہر ہے کہ اجرامِ فلکی اور سیارات انسانی دسترس سے باہر نہیں ہیں ۳۳؎ نماز، عبدیت، پاکیزگی، اتحاد اور مساوات ۳۴؎ کی عکاس ہے۔ جہاد، سخت کوشی کی علامت ہے کہ مسلمان دفاع اور اصلاح کی غرض سے سرگرمِ عمل رہے اور خدا کی زمین کو شر و فساد سے پاک رکھنے کی کوشش کرے، جبکہ حج اسے ہجرت، اتحاد اور مساوات کی تعلیم دیتا ہے۔ ان باتوں کو فصیح و بلیغ نثر میں لکھنا بھی کارے دارد، مگر اقبال نے انھیں (بلکہ متعدد دیگر حقائق کو) حسنِ شعر کی آب و تاب دے کر بیان کیا، اور ان تعلیمات نے نئی نسل پر خاطر خواہ اثر ڈالا ہے!۔

اقبال نے اردو زبان کے دامانِ لغات میں نئی اور خاص معانی کی حاصل اصطلاحات کا اضافہ کیا ہے، اور اقبال خواں افراد اب ان اصطلاحات کو اپنی تحریروں میں بلا تکلف استعمال کرتے ہیں۔ مگر شعرِ اقبال کی تفہیم کا تقاضا ہے کہ ان کی خاطر کچھ ممارست کی جائے۔ خود، خودی، بیخودی، عشق، عقل (خرد، خبر)، نظر، دل، فقر، غیور، شوق، تجلیات، حریم کبریا، حریم ابدی، عرب، عجم، افرنگ، افرنگ زدہ، سوز و ساز، عشق و مستی، خدا آسنی، یقین۔ دانش برہانی، دانش نورانی، جذب و مستی، خارا شگافی، شیشہ گری، شیشہ گدازی، زجاج گر، خاکبازی، شاہبازی۔ ذوق تجلی، تقدیر شکنی، زندانی تقدیر، نے نواز، نے نوازی، نواگر، رند، قلندر، آہ سحر گاہی،

۳۲؎ آہ اس راز سے واقف ہے نہ ملّا نہ فقیہ
وحدتِ افکار کی بے وحدتِ کردار ہے خام

۳۳؎ رہِ یک گام ہے ہمت کے لیے عرش بریں
کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

۳۴؎ یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فغانِ نیم شبی، جذبِ مسلمانی، شاہینی وعقابی اور طائرِ لاہوت وغیرہ اصطلاحات اس وقت نمونے کے طور پر نقل کی جاتی ہیں۔

نئے اسالیبِ بیان

معنوی انقلابات سے قطع نظر صوری لحاظ سے اقبال کی اردو شاعری کے نئے اسالیب بیان قابلِ توجہ اور جالبِ نظر ہیں۔ ان کی منظرکشی، تشبیہات، استعارات، کنایات اور دیگر محاسنِ سخن کا طبیعی استعمال اور ان کی غیر معمولی مکالماتی (ڈرامائی) صلاحیت پڑھنے والے کے قلب ونظر کو مسحور کر دیتی ہے۔ اصنافِ سخن کی ندرت اور جدت پر مبنی اشارے ملاحظہ ہوں۔ اقبال کی غزل میں اشعار کی کوئی قید نظر نہیں آتی۔ ان کی غزل کے مطلعے کئی جگہ مردّف اور مقفّیٰ نہیں، مثلاً مندرجہ ذیل مطلعے دیکھیں:

عجب واعظ کی دینداری ہے یارب — لرز جاتے ہیں آوازِ اذان سے
الٰہی عقلِ خجستہ پے کو ذرا سی دیوانگی سکھا دے — اسے ہے سودائے بخیہ کاری، مجھے سرِ پیرہن نہیں ہے
یوں تو اے بزمِ جہاں، دلکش تھے ہنگامے ترے — اک ذرا افسردگی تیرے تماشاؤں میں تھی
اے بادِ صبا! کملی والے سے جا کہیو پیغام مرا — قبضے سے امت بیچاری کے، دیں بھی گیا، دنیا بھی گئی
تہ دام بھی غزل آشنا رہے طائرانِ چمن تو کیا — جو فغاں دلوں میں تڑپ رہی تھی، نوائے زیرِ لبی رہی
گرچہ تو زندانیٔ اسباب ہے — قلب کو لیکن ذرا آزاد رکھ

مندرجہ بالا مطلعے بانگِ درا کے تینوں حصوں کی بعض غزلیات کے ہیں جو قطعے کی صورت میں ہیں۔ اب بالِ جبریل کی پانچویں غزل کا مطلع اور مقطع دیکھیں۔ یہاں مقطع، ردیف، قافیہ اور وزن میں ثانی اشعار سے مختلف ہے مگر اقبال نے اسے غزلوں میں ہی درج فرمایا ہے:

کیا عشق ایک زندگیٔ مستعار کا — کیا عشق پائدار سے ناپائدار کا
کانٹا وہ دے کہ جس کی کھٹک لازوال ہو — یارب وہ درد جس کی کسک لازوال ہو

سولھویں غزل بھی قطعے کی صورت میں یوں شروع ہوتی ہے:

یارب! یہ جہانِ گزراں خوب ہے، لیکن — کیوں خوار ہیں مردانِ صفا کیش و ہنرمند؟

مگر قطعات پر نگاہ ڈالیں تو بہت سے قطعے، غزل کے مطلعوں کی طرح مردّف اور مقفّیٰ نظر آتے ہیں[۵۱۵]۔ اقبال نے

---

۵۱۵ مثالیں اقبال کی سب اردو کتابوں میں فراواں دیکھی جا سکتی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معروف وزن "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" میں رباعی کوئی نہیں کہی۔ انھوں نے فارسی شاعر باباطاہر ہمدانی کی فہلویات کے وزن میں "دو بیتیاں" کہی ہیں اور انھیں عرفِ عام کی اصطلاح میں "رباعی" کہا ہے۔ معنوی اعتبار سے ان دو بیتیوں میں بے شک رباعیات کے اوصاف نظر آتے ہیں مگر یہاں بھی اقبال نے عام ادبی راہ کی پیروی نہیں کی۔ کہیں چاروں مصرعے مردّف اور مقفّیٰ رکھے (یہ کام خال خال دوسرے شعرا نے بھی کیا ہے کہ تیسرے مصرعے کو قافیہ اور ردیف کے بغیر نہیں چھوڑا) اور کہیں بیت اولیٰ کا مصرعِ اوّل قافیہ اور ردیف کے بغیر ہے:

کبھی دریا سے مثلِ موج اُبھر کر
کبھی دریا کے سینے میں اُتر کر
کبھی دریا کے ساحل سے گزر کر
مقام اپنی خودی کا فاش تر کر

تمیزِ خار و گل سے آشکارا
نسیمِ صبح کی روشن ضمیری
حفاظت پھول کی ممکن نہیں ہے
اگر کانٹے میں ہو خوئے حریری

کہا اقبال نے شیخِ حرم سے
تہِ محرابِ مسجد سو گیا کون ؟
ندا مسجد کی دیواروں سے آئی
فرنگی بتکدے میں کھو گیا کون ؟

اقبال نے دیگر شعرا کی طرح مسمّط، مثلث، مخمس اور مستزاد لکھے جو خوب سے خوب تریں کے نمونے فراہم کرتے ہیں۔ بانگِ درا کی ایک نظم "حسن و عشق" مسبّع کی مثال بھی سامنے لاتی ہے۔ انھوں نے چند ترجیع بند لکھے۔ ترکیب بند کی صنف میں ان کی بعض عظیم نظمیں موجود ہیں۔ شمع اور شاعر، والدہ مرحومہ کی یاد میں، خضرِ راہ، طلوعِ اسلام، مسجدِ قرطبہ اور ذوق و شوق ان نظموں میں سے چند ہیں۔ اقبال کی یہ جدّت قابلِ غور ہے کہ وہ بعض نظموں کے آغاز میں مصرعِ مستزاد لے آتے ہیں۔ نظم "انسان" (بانگِ درا) اس طرح شروع ہوتی ہے:

قدرت کا عجیب یہ ستم ہے

انسان کو راز جو بنایا
راز اس کی نگاہ سے چھپایا
بیتاب ہے ذوقِ آگہی کا
کھلتا نہیں بھید زندگی کا
حیرت آغاز و انتہا ہے
آئینے کے گھر میں اور کیا ہے ؟

صنعتِ تلمیح (ایک اردو اور دوسرا فارسی مصرع) ان کے ہاں بہت زیادہ ہے۔ بلکہ ان کی کئی اُردو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظموں کے بعض حصے فارسی میں ہیں: نظم شمع اور شاعر میں شاعر کی گفتگو بزبان فارسی ہے۔ نظم پیر و مرید (بالِ جبریل) میں اقبال کے سوالات اردو میں ہیں اور جوابات مثنوی رومی سے منقول ہیں۔ یہ ساری چیزیں مجھے کم از کم دوسرے اُردو شعرا کے ہاں نظر نہیں آئیں۔ مگر جس خصوصیت نے اقبال کو ترجمانِ حقیقت، مصوّرِ پاکستان، شاعرِ مشرق، حکیم الاُمت اور شاعرِ اسلام کے القاب کا سزاوار بنایا؛ وہ ان کے عشق و فلسفے کا امتزاج ہے۔ مسلمانوں اور دنیا بھر کے انسانوں کی بیداری اور بہبودی کی قلبی آرزوؤں نے انھیں ایک خاص لہجہ دیا جس کے ذریعے ان کا کلام دوسرے شعرا کے کلام سے ممتاز و منفرد ہو گیا۔ انھوں نے تاریخ میں مذکور اور معاصر حوادث سے خاص اثرات اور تاثرات لیے اور نتائج و آلات کو امید و کامیابی کی نظر سے دیکھتے رہے۔ اپنے نفسِ گرم اور سوزِ نفس کا جو ذکر انھوں نے کیا، اس میں تعلّی نہیں، واقعیت کا اظہار کیا گیا ہے:

نفسِ گرم کی تاثیر ہے اعجازِ حیات
ترے سینے میں اگر ہے تو مسیحائی کر

یہ کون غزل خواں ہے پُرسوز و نشاط انگیز
اندیشۂ دانا کو کرتا ہے جنوں آمیز

نگاہِ گرم کہ شیروں کے جس سے ہوش اُڑ جائیں
نہ آہِ سرد کہ ہے گوسفندی و میشی

خوش آ گئی ہے جہاں کو قلندری مری
وگرنہ شعر مرا کیا، شاعری کیا ہے؟

کیا عجب مری نواہائے سحر گاہی سے
زندہ ہو جائے وہ آتش کہ تری خاک میں ہے

اندھیری شب ہے، جدا اپنے قافلے سے ہے تو
تیرے لیے ہے میرا شعلۂ نوا، قندیل

مقامِ گفتگو کیا ہے اگر میں کیمیا گر ہوں
یہی سوزِ نفس ہے، اور میری کیمیا کیا ہے؟

فطرت نے نہ بخشا مجھے اندیشۂ چالاک
رکھتی ہے مگر طاقتِ پرواز مری خاک

وہ خاک، کہ جس کا جنوں صیقلِ ادراک
وہ خاک، کہ جبریل کی ہے جس سے عبا چاک

وہ خاک، کہ پروائے نشیمن نہیں رکھتی
چنتی نہیں پہنائے چمن سے خس و خاشاک

اس خاک کو اللہ نے بخشے ہیں وہ آنسو
کرتی ہے چمک جن کی ستاروں کو عرقناک

© rasailojaraid.com